قرآن وسنت کی روشنی میں ماؤں کے بدلتے ہوئے معاشرتی فرائض ووظائف کا مطالعہ

The Study of changing Social duties of Mothers in light of Quran and Hadith

☆ عنبرین شفیق
ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی

Abstract:

The woman is granted with special qualities from Allah to build the personality of a child as a mother. It is a ground fact that a responsible mother is not only answerable for the physical needs of a child but also accountable for the spiritual needs and success of her child in the life hereafter .That's why a mother is liable to nurture and guide her child helping him to develop into a productive human being of the society. In contrast the role of a woman has been changing drastically for few decades. One of the most important changing behaviors of woman is escaping from the nurturing of her child as a responsible mother. Due to this our new generation is brought up with certain negative social behaviors and attitudes. If the woman will be educated and trained according to Islamic ideology and teachings, she will guide her children and will be able to fulfill their religious, physical, emotional and social needs. Her children will become the better citizen of the society and will be grown up to develop the Islamic world view and the Islamic virtues.

Key words : *(mother, responsible, nurturing, social behavior, children, society)*

عورت بحیثیت ماں

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ عورت کو بحیثیت ماں کے عطا کیا ہے۔اسی رحمت خاص کی وجہ سے عورت کی فطرت میں نرمی، محبت، شفقت، صبر و تحمل اور بے پناہ قوتِ برداشت جیسے اوصاف ودیعت ہوئے ہیں۔انھی خوبیوں کی بناء پر عورت اس بات کی زیادہ اہل ہے کہ وہ نسل نو کی تربیت وپرورش کی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی سنبھال سکے۔اللہ تعالیٰ نے عورت کا خمیر ہی ممتا اور محبت کے دل آویز جذبہ سے اٹھایا ہے۔اور اس کی نس نس میں اولاد کی خیر خواہی اور محبت رکھ دی ہے۔یہ بات طے شدہ ہے کہ عورتیں بچوں کی تربیت وپرورش بہترین انداز میں کرسکتی ہیں۔ایک عورت نہ صرف اپنی اولاد کی جسمانی ضروریات کا بخوبی خیال رکھتی ہے ،بلکہ اس کے جذبات اور مزاج کو بھی بہتر طور پر سمجھتی ہے۔اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے عورت کو نسل نو کی تربیت کے لئے چنا ہے۔نامعلوم زمانوں بلکہ ابتدائی وقتوں ہی سے اولاد کی دیکھ بھال اور پرورش عورت کے ذمہ ہی رہی ہے۔یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر دور میں اچھی مائیں ہی نئی نسل کی کامیابی اور ترقی کی ضامن ہوتی ہیں۔اور اچھی قوموں کی تعمیر اچھے افراد مہیا کیے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔

ماں کی حیثیت اور مرتبہ بھی انمول اور عظیم ہے کیونکہ اولاد کی تخلیق وپیدائش میں ایک ماں کی مرکزی حیثیت اور بہت بنیادی کردار ہے۔رب کریم کی برگزیدہ ہستی تو حقیقی معنوں میں خالق کائنات ہے، لیکن ایک ماں عمل تخلیق انسانی میں خدا کی معاون ہے۔اور اس دنیا میں نسل انسانی کی بقا کی ذمہ دار بھی ہے۔ماں کی ذمہ داری کا صرف بچے کو اس دنیا میں لانے تک محدود نہیں ہے۔بلکہ بچے کی بقا اور تحفظ کی اہم ذمہ داری بھی ماں کے سپرد کی گئی ہے۔اور یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک ذمہ دار ماں بچے کی دنیاوی حفاظت و نگہداشت کی ہی ضامن نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے بچے کی آخرت کے تحفظ اور اس کو صحیح معنوں میں سنوار دینے کی بھی پابند ہوتی ہے۔تجربہ گواہ ہے کہ ایک ماں کی غفلت اور لاپرواہی نہ صرف بچے کی دنیا خراب کرسکتی ہے بلکہ وہ آخرت کے خسارے کا شکار بھی بنا سکتی ہے۔

چنانچہ جب ہم بحیثیت ماں کے ایک عورت کے عملی کردار کا جائزہ لیتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک ماں اپنی اولاد کی صرف دنیوی ضروریات کی فراہمی اور تحفظ ہی کی ضامن نہیں ہے بلکہ اپنی اولاد کی روحانی اور مذہبی اصلاح اور ہدایت کی بھی ذمہ دار ہے۔مقاصدِ حیات میں اگر دیکھا جائے تو،ایک اچھی، باعزت اور باوقار زندگی گزارنے کے لیے علم وہدایت کا حصول ہی انسان کا سب سے بڑا مقصد حیات ہے۔انسان کی شخصی تعمیر اور انفرادی طور پر راہنمائی کی ذمہ داری والدین ہی کے سپرد کی گئی۔اور نسل نو کی فلاح وبہبود میں ہر کمی اور خسران کا ذمہ دار بھی والدین ہی کو ٹھہرایا گیا ہے۔اِس ذمہ داری پر تو زمانوں نے اپنی مہر توثیق ثبت کردی ہے کہ چاہیں تو والدین اپنے بچوں

کی بہترین تربیت کر کے ان کو کامیابی سے ہمکنار کر دیں یا ان کی تربیت سے منہ موڑ کے ان کو خسارے میں ڈال دیں۔ کسی بھی بچے کے تعلق سے یہ موقع صرف اور صرف والدین ہی کا نصیبہ ہے۔ حتیٰ کہ معاملات خوش اسلوبی سے آگے بڑھ رہے ہوں تو ریاست بھی معاملات میں کسی مداخلت کی مجاز نہیں ہے۔ یہ معاملہ والدین اور ان کے خاندان کی بقاء کا معاملہ ہے۔ اس ضمن میں خاندان کا وجود بچے کے لئے سب سے اہم ہے جو اس کی تربیت، پرورش اور ترقی میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اِس لحاظ سے خاندان کو انسان سازی کیلئے ایک کارخانہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اور معاشرت و تمدن کے بنیادی پرزہ جات اسی کارخانہ میں تیار ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے معاشرے کی کامیابی اور فلاح و بہبود کے لئے بچوں کی ولادت کے بعد سب سے اہم ذمہ داری اس اولاد کی نگہداشت و پرورش و تربیت و تعلیم کو قرار دیا ہے، اور اس بات کی تاکید کی ہے کہ ذمہ دار افراد اپنی اولاد کو نہ صرف دنیاوی کامیابیوں سے بہرہ مند کریں بلکہ اس کی آخرت کو بھی سنوارنے کی کوشش کریں۔ ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحریم ۶۶/۶)۔

ترجمہ: مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے۔

اولاد کو آگ سے بچانے کی تاکید والدین کو اس وجہ سے کی گئی ہے کہ وہی ذمہ دار اور اس قابل ہیں کہ بہترین تربیت اور راہنمائی سے نہ صرف اولاد کو دنیا و آخرت کی کامیابیوں سے ہمکنار کر سکتے ہیں بلکہ وہ ان کو عذاب النار سے بھی محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ اولاد کی صحیح خطوط پر پرورش و تربیت گویا اولاد کو ایک پاکیزہ حیات فراہم کرنے کے مترادف ہے۔ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ خاندان کا سربراہ ہونے کے ناتے، اسلام نے بچے کی تربیت و پرورش کا ذمہ دار اصلاً باپ کو ہی ٹھہرایا ہے۔ لیکن چونکہ ماں، پیدائش، رضاعت اور ابتدائی پرورش میں بچے کے زیادہ قریب ہوتی ہے، اور اپنے خاوند کے زیردست ہوتی ہے، لہٰذا باپ کی نسبت ماں اس بات کی زیادہ اہل ہوتی ہے کہ وہ بچے کی تربیت و پرورش اپنے خاوند کی سربراہی میں رہتے ہوئے مناسب اطوار و خطوط پر کرے۔ اِس معنی میں تربیت اولاد کا فریضہ ایک ماں کے اولین فرائض میں شمار کیا جاتا ہے۔ البتہ ماں اپنے بچے کی پرورش اور تربیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔ کیونکہ اولاد ماں کی رعیت میں آتی ہے اور ہر راعی اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔ اور پورے خاندان، جس میں خود ماں بھی داخل و شامل ہے، کا راعی، باپ ہے۔ ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته الامام راع ومسئول عن رعيته والرجل راع فى اهله وهو مسئول عن رعيته والمرأةراعيية فى بيت زوجها و مسئولة عن رعيتها[1]۔

ترجمہ: تم میں سے ہر کوئی ایک چرواہے کی مانند نگہبان وذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی زیر نگرانی لوگوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ امام اپنی رعایا کا راعی اور ذمہ دار ہے۔ مرد اپنے اہل خانہ کا راعی وذمہ دار ہے۔ اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور بچوں کی راعی اور ذمہ دار ہے۔ اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ان الله سائل كل راع عما استرعاه احفض ام ضيع۔

ترجمہ: بے شک اللہ ہر نگہبان سے سوال کرے گا اس شخص کے بارے میں جس کی حفاظت اس کے ذمہ تھی آیا اس کی صحیح حفاظت کی یا اسے ضائع کر دیا[2]۔

ان احادیث سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان سے اس کی ذمہ داریوں اور فرائض کے متعلق سوال کرے گا۔ عورت اپنے گھر بار اور بچوں کے بارے میں ذمہ دار ہے اور اس سے اسی کی بابت سوال کیا جائے گا۔ گھر گرہستی کی ذمہ داری کے بعد عورت کی ذمہ داریوں میں سے سب سے اہم ذمہ داری اولاد کی تربیت ہی ہے۔ اگر گھر انسان سازی کا بنیادی کارخانہ ہے تو عورت اس کارخانہ کی وہ کاریگر ہے جو انسان کے صحیح یا غلط کردار و شخصیت کی ضامن ہے۔ اولاد کی تربیت اگر صحیح اور مثبت انداز میں کی گئی ہوگی تو وہ بچہ مستقبل میں معاشرے کا ایک مفید فرد ثابت ہوگا۔ لیکن اسی تربیت کے فقدان سے معاشرے میں ایک غلط فرد کا اضافہ ہوگا جو معاشرتی بگاڑ کا سبب بنے گا۔ معاشرے کی فلاح بہبود اس بات میں مضمر ہے کہ عورت اپنے بچے کی تربیت سے روگردانی نہ کرے۔ اور اپنے حصہ کی ذمہ داریوں کو بخوبی سرانجام دے تاکہ یہ بچہ بڑا ہو کر اسلامی معاشرے کی فلاح و بہبود میں مثبت کردار ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔ محمد مسعود خان لکھتے ہیں:

"گھر کے اندر کی زندگی میں ماں کو فوقیت حاصل ہے۔ اس کے ذمہ ایک نسل کی پرورش ہے اور اس نسل کی تعلیم وتربیت ہی پر قوم کے مستقبل کا انحصار ہے۔ اسے یہ شرف وامتیاز صرف ماں ہونے کی وجہ سے حاصل ہے۔ جس قوم کی عورت اپنے فرائض امومت سے کتراتی ہے اس کا معاشرتی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ عائلی نظام انتشار کا شکار ہو جاتا ہے کیونکہ معاشرے کی تمام سرگرمیوں کی اصل

ماں کی ذات ہے۔ قوموں کی عزت و وقار ماں کے دم سے ہے اس لئے ماں کی عزت و احترام قوموں کی تقدیر کی تشکیل میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔"(۳)

عصر حاضر میں ماں کے اپنے فریضہ تربیت سے منہ موڑنے نے معاشرے میں وہ بگاڑ پیدا کر دیا ہے جس کی تلافی ممکن نہیں ہے۔ ہر وہ بچہ جس کی تربیت میں کوتاہی ہوگی اور وہ معاشرے کے لئے ضرر کا سبب بنے گا وہ در حقیقت ماں کے لئے روز قیامت سوالیہ نشان ثابت ہوگا۔

عصر حاضر میں ماؤں کے بدلتے ہوئے وظائف:

گزشتہ چند دہائیوں سے مغربی سامراجی طاقتوں کی کوششوں کی بنا پر مسلمان عورت کے وظائف زندگی میں نمایاں تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ جس کی بدترین صورت عورت کی اپنی اولاد کی تربیت و پرورش سے گریز اور فرار ہے۔ اسکے منفی اثرات براہ راست نسل نو پر مرتب ہوئے ہیں۔ اسی کے نتائج کی صورت میں نسل نو راہ راست سے برگشتہ اور بے راہ رو ہے۔ نسل نو کے چہروں پر شادابی و رعنائی کے بجائے حزن و ملال اور پژمردگی کی چھاپ صاف نظر آتی ہے۔ لگتا ہے کہ انہیں اس بات کا علم و ادراک کرنے میں سخت دقت درپیش ہے کہ ان کی منزل کیا ہے؟ یکسوئی اور نظم وضبط کی عدم موجودگی کی بنا پر نسل نو حیران و سرگرداں ہے۔ معاشرے میں تھکن اور بے یقینی کے سائے ہر جگہ منڈلا رہے ہیں۔ ان سب کی ذمہ داری عصر حاضر کی ماں کے سر آتی ہے۔ کیونکہ نسل نو کے اس سارے اخلاقی، معاشرتی اور نفسیاتی انحطاط کا اصل سبب آج کی ماں کی تربیت اولاد سے غفلت اور کوتاہی ہے۔ بالخصوص وہ ماں، جس نے اپنی لئے مشعل راہ، امہات المومنین اور صحابیات کے بجائے مغرب کی برگشتہ عورت کو قرار دے دیا ہے۔ اس وجہ سے معاشرتی معیارات میں خوفناک تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ فکری، نظری اور عملی اکھاڑ پچھاڑ نے معاشرے میں بدترین اثرات پیدا کر دیے ہیں۔ منیر احمد خلیلی اس صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"زندگی کے باقی تمام شعبوں کے ساتھ ساتھ خاندان جیسا قدیم ترین فطری ادارہ بھی ضوابط و روایات کی باگیں تڑا بیٹھا۔ ازدواجی زندگی کسی بڑے نصب العین سے خالی ہو گئی۔ زوجین کے تعلقات خالص کمرشل انداز پر استوار ہوئے۔ عورت کے ساتھ کوئی اخلاقی، مذہبی اور عائلی مقدس تصور وابستہ نہ رہنے دیا گیا۔ رشتہ ازدواج کی تمدنی، فطری اور اخلاقی حیثیت مفقود ہوئی، عورت گھر کی منتظمہ

اور مالکہ کی حیثیت کھو بیٹھی۔اس کی دل چسپیوں کا محور گھر، خاندان اور زوجین کے باہمی تعلقات نہ رہے بلکہ عورت کا جسم، حسن و شباب اور آرائش و زیبائش مرکزی نکتہ بن کر اہمیت اختیار کر گئی۔ لذت پرستی کی تیز آندھی نے اخلاقی اقدار اور قدیم معاشرتی روایات کے گھنے سایہ دار پیڑ جڑوں سے اکھاڑ دیے۔ جنس زدگی کا تند سیل خونی رشتوں اور پاک جذبوں کی مضبوط عمارت کو بہا کر لے گیا۔ خاندان کے افراد اک دوسرے کے لئے محبت، ایثار، احترام اور لگاؤ کے جو احساسات رکھ سکتے ہیں وہ سب مہمل قرار پائے۔ نفسانیت، خود غرضی، لالچ، بے مروتی و بے اعتنائی اور عدم ہمدردی جیسے منفی رویے اصول زندگی بن گئے ''۔(۲)

اس معاشرتی بگاڑ میں سب سے زیادہ متاثر ماں کا کردار ہوا ہے۔ کیونکہ عورت بحیثیت ماں اپنے وظائف اور ذمہ داریوں سے بے پرواہو گئی ہے۔ جس کی وجہ سے نئی نسل کی پرورش اور تربیت میں ایک نہ ختم ہونے والا خلا پیدا ہوتا جا رہا ہے۔آج کی ماں اپنے مقام و مرتبہ اور ذمہ داریوں سے بے نیاز ہے، اور ایسے اعمال و افعال کی مرتکب ہو رہی ہے جنھوں نے اسلامی تعلیمات اور معاشرتی اقدار و روایات کی دھجیاں بکھیر کے رکھ دی ہیں۔ بالخصوص بحیثیت ایک ماں، عورتوں کے وہ اعمال جو اسلام منافی ہیں، مندرجہ ذیل ہیں۔

ضبط ولادت:

ضبط ولادت کی قبیح ترین شکل زمانہ جاہلیت میں مروج تھی کہ بیٹیوں کو زندہ زمیں میں گاڑ دیا کرتے تھے۔ موجودہ زمانے میں یہ عمل شکم مادر میں ہی سرانجام دے دیا جاتا ہے، اور شیطان نے غفلت کے ایسے پردے ڈالے ہیں کہ اس عمل کی قباحت کا مکمل طور پہ شعوری فقدان ہے۔جب کہ قتل اولاد کی قرآن میں شدید الفاظ میں مذمت کی گئی ہے، نیز اس فعل کو کبیرہ گناہوں میں سے ایک شمار کیا گیا ہے: ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ط اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا(بنی اسرائیل(۳۱/۱۷)۔

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو(کیونکہ)ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ کچھ شک نہیں ان کو مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے۔

اس کے کبیرہ گناہ ہونے میں کوئی شک نہیں کہ انسان اپنی زندگی کے بارے میں کوئی اختیار نہیں رکھتا بھلا وہ دوسروں کی زندگی ختم کرنے کا اختیار کیونکر رکھ سکتا ہے۔ اگرچہ روح پھونکے جانے اور ایک باقاعدہ زندگی کا بعد چند ماہ بعد سے ہی ہوتا ہے مگر یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ حمل ٹھہر جانے ہی سے ایک نئی زندگی کی بنیاد پڑ جاتی ہے، جس کو بلا کسی شرعی عذر کے ختم کرنے کا ارتکاب اگر قتل انسانی کے برابر نہیں ہے تو بھی کسی طرح سے مستحسن اقدام قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے: قال رجل یارسول اللہ ای الذنب اکبر عند اللہ قال: ان تدعوا للہ نداوھو خلقک قال: ثم ای، قال: ان تقتل ولدک مخافۃ ان یطعم معک، قال: ثم ای قال ان تزانی حلیلۃ جارک۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کونسا گناہ بڑا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: شرک یعنی اللہ کے برابر کسی کو کرنا حالانکہ تجھے اللہ نے بنایا ہے، پوچھا کہ پھر کن سا گناہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تو اپنی اولاد کو مار ڈالے اس ڈر سے کہ تیرے ساتھ روٹی کھائے گا، پوچھا پھر کن سا گناہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تو زنا کرے اپنے پڑوسی کی عورت[۵]۔

آج ہمارے معاشرے میں غیر اسلامی تہذیب و معاشرت اور غیر اسلامی خیالات و اعمال کی یلغار ہے۔ جس کی بنا پر سامراجی طاقتیں مسلمانوں پر غلبہ پاتی جارہی ہیں۔ اسی سامراجی سازش کے غلبہ کی ایک صورت مسلمانوں کی نسل کشی ہے۔ جس کے لئے ایک منظم سازش کے تحت ضبط ولادت کی منصوبہ بندی کو فروغ دیا گیا ہے۔ جس کا مقصد مسلمانوں کی اساس کو کمزور کرنا ہے اور ان کی عددی قوت کو کم کرنا ہے۔ اس ضمن میں سرکاری و غیر سرکاری سطح پر ذرائع ابلاغ کو خاندانی منصوبہ بندی کی بھرپور ترغیب اور تشہیر کے لئے بروئے کار لایا جارہا ہے۔ ڈاکٹر رخسانہ جبیں ضبط ولادت کے بارے میں لکھتی ہیں:

"دور جدید میں یہ تحریک دراصل جدید صنعتی انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ جس کے لئے لوگوں میں اپنے بلند معیار زندگی کو برقرار رکھنے کی شدید خواہش نے جنم لیا۔ اس مادیت پرستی نے لوگوں میں انتہا درجے کی خود غرضی پیدا کردی اور آسائش کے لئے زیادہ سے زیادہ اسباب مہیا کرنے، عورتوں میں تعلیم، آزادی اور مردوں کے ساتھ آزادانہ اختلاط کا رویہ عام ہونے لگا۔ جو دراصل فطری وظائف سے روز بروز منحرف ہونے کا شاخسانہ ہے۔ نیز دہریت نے لوگوں کے دلوں سے خدا کا خیال مٹا دیا ہے کہ وہ اس پر بھروسہ کریں اور اس کی رزاقیت پر اعتماد کریں۔"(۶)

بلند معیار زندگی اور آسائشات کی اندھی خواہشات، اور ترقی اور حقوق کے نام پر پاکستانی مشرقی عورت بھی مغرب کی اندھا دھند تقلید میں مشغول ہو گئی ہے۔ اور مغرب کی عورت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہر وہ عمل کرنے پر تیار ہے جو سراسر اسلام کے منافی ہیں۔ پروفیسر ثریا بتول علوی مغرب معاشرہ کی بدترین مشکل پیش کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''عورتیں کسب معاش کے لئے گھروں کو خیرباد کہہ کر باہر نکل آئیں۔ کمانے میں بچے جننا اور پالنا دونوں ہی مشکل کام تھے، لہذا عورتوں کو مادرانہ فرائض ادا کرنے بلکہ شادی کرنے سے بھی نفرت دلائی گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ مخلوط معاشرے میں جنسی خواہش تو انہوں نے ہر جگہ پوری کرلی، مگر اس کے قدرتی و فطرتی نتیجہ ''حمل'' سے حتی الامکان جان چھڑانا چاہی۔ بے شمار مانع حمل ادویات کا استعمال شروع ہوا۔ پھر بھی حمل قرار پاتے رہے، ان سے ولادت سے قبل abortion کے ذریعے سے جان چھڑانے کی کوشش کی گئی۔ پھر بھی جو بچے پیدا ہوئے عورتوں نے ان کو اپنے عیش اور کمائی دونوں کے راستے میں رکاوٹ سمجھ کر ان سے جان چھڑانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ (۱۵)

پاکستانی خواتین کو بھی ترقی نسواں کے دھوکے میں اسی نہج پر لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مغرب کے معاشرے میں ناجائز اولاد سے جان چھڑوانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی رہی ہے۔ جب کہ ہمارے معاشرے میں ''کم بچے خوشحال گھرانہ، بچے دو ہی اچھے، اور چھوٹا خاندان زندگی آسان، کے خوشنما دھوکے نے جائز بچوں کے قتل کو قبل از پیدائش اسقاط کی صورت میں آسان بنا دیا ہے۔ آبادی کی ایک کثیر تعداد کو اس چنگل میں جکڑ لیا گیا ہے۔ اور اس کو جائز قرار دیے جانے کی سر توڑ کوششیں کی جارہی ہیں۔ جس کا ایک حربہ کم وسائل میں زیادہ بچوں کی پرورش کو ناممکن بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے اب لوگوں نے رزق کے اسباب وسائل کو اپنے سر منڈ لیا ہے اور خود کو رازق سمجھ لیا ہے۔ یہ خیال رواج پا گیا ہے کہ زیادہ بچوں کی پرورش، تعلیم و تربیت اور زندگی کی سہولیات بہم پہنچانا ان کے لئے ممکن نہیں ہے بلکہ یہ ان کے معیار زندگی کو پست کر رہا ہے۔ حالانکہ اس دنیا اور پوری کائنات کا مدبر و منتظم ارشاد فرماتا ہے:

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ط اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ'' (شوری ۱۲/۴۲)۔

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز سے واقف ہے۔

یہ امر بھی کسی پر مخفی نہیں ہے کہ رزق کے خزانے اللہ ہی کے سپرد ہیں۔ اور وہ ہر ذی روح اور ہر متنفس کے لئے رزق کی فراہمی کا ذمہ دار ہے۔ اسی لئے ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (الانعام۶/۱۵۱)۔

ترجمہ: اور ناداری کے اندیشے سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا (کیونکہ) تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔

جب کہ صورتحال یہ ہے کہ عورتوں نے جدید تعلیم کے حصول، اعلیٰ ملازمتوں کے شوق، اور بلند معیار زندگی کی طلب میں، اپنے فطری مادرانہ وظیفہ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ بچوں کی پیدائش ایک سوہانِ روح قرار پا گیا ہے۔ ان کی پرورش و تربیت اور ان کی معاشی ذمہ داری ایک بوجھ بن کر رہ گئی ہے۔ اسی مادیت پرستی کی دوڑتے عورت کے مادرانہ خصائص کو ماند کر دیا ہے اور اس کے خلوص و محبت اور ایثار کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ در حقیقت عورت اپنے مقصد حیات سے ہی نابلد ہو کر رہ گئی ہے۔ جب کہ عورت کی تخلیق کا مقصد ہی بقائے نوع انسانی کی خدمت ہے۔ اس مقصد کے حصول اور اس کی تکمیل کے لئے عورت کی فطرت میں محبت، قربانی اور ایثار کا جذبہ رکھا گیا ہے۔ ابو داؤد میں عورتوں کی ایک خاصیت یہ بھی بتائی گئی ہے: تزوجو الودود الولودفانی مکاثر بکم الامم[۸]

ترجمہ: لوگو ایسی عورتوں سے شادی کرو جو بہت محبت کرنے والی ہوں اور بہت بچے جننے والی ہوں۔ بلاشبہ میں تمہاری کثرت سے دوسری امتوں پر فخر کرنے والا ہوں۔

عورت کے اپنے اس مقصد حیات سے روگردانی کی بنا پر معاشرے میں شدید بگاڑ پیدا ہوا ہے۔ آبادی میں کمی تو ہو گئی ہو گی، لیکن کم بچوں میں بھی وسائل ناکافی ہیں، جو زندگی کی ضروریات سے بڑھ کر آسائشات زندگی میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ اسی بنا پر انسان ''ھل من مزید'' کی زندہ تصویر بنا ہوا ہے۔ جس کی ساری کوششیں اور تگ و دو کا مقصد صرف مادی وسائل کا حصول ہے۔

رضاعت سے گریز:

اللہ تعالی نے اس دنیا کے کارخانے کو چلانے کے لئے نہایت حکیمانہ انتظامات کیے ہیں۔ انسانوں کے اس دنیا میں قیام کے لئے بھی بہترین انتظامات کئے ہیں، جن میں سے اہم ترین تولید اور مغذیہ ہیں۔ یعنی کہ نسل کی پیداوار اور پھر اس کے لئے رزق کی فراہمی۔ ایک بچہ کی پیدائش کے ساتھ ہی اللہ تعالی نے اس کے رزق کا بندوبست ماں کی چھاتیوں میں اترنے والے دودھ کی صورت میں کر دیا گیا ہے۔ یہ بچہ کا بنیادی حق ہے کہ اس کو رضاعت کا بھرپور موقع فراہم کیا جائے۔ قرآن حکیم میں اس رضاعت کی مدت 2 سال متعین ہے۔ ارشاد ہے: وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْ لَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (البقرہ ۲/۲۳۳)۔

ترجمہ: اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔

کیونکہ تمام مخلوقات میں انسان کا بچہ سب سے زیادہ کمزور ہوتا ہے اور کلی طور پر ایک مدت تک ماں کی نگرانی کا محتاج ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالمعز اپنے مقالے "غذا اور اس کا جسمانی و دماغی صحت پر اثر" میں لکھتے ہیں: "جب بچہ اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو وہ ماں سے مانوس بھی ہوتا ہے اور اس کی ضرورت بھی محسوس کرتا ہے۔ بچے کے لئے ضروری ہے کہ اسے وہی غذا ملے جسے وہ اپنی ماں کے رحم میں اس کے خون سے حاصل کرتا رہا ہے کہ اسے وہی غذا ملے جسے وہ اپنی ماں کے رحم میں اس کے خون سے حاصل کرتا رہا ہے۔ یہی غذا جسے وہ رحم مادر میں حاصل کرتا رہا ہے، اللہ کی مرضی اور قدرت سے ایسے دودھ میں منتقل ہو جاتی ہے جس میں تمام اہم اور ضروری غذائی اجزاء شامل ہوتے ہیں جن پر اس کی نشو نما کا دارومدار ہے۔ یہ دودھ ماں کے سینے میں اترتا ہے اور خدا کی مرضی سے بچہ اسے تلاش کر کے پینا شروع کر دیتا ہے۔"[۹]۔

جدید تہذیب کے بدترین اثرات میں سے ایک آج کی ماؤں کا رضاعت سے گریز ہے۔ اس فریضہ کو اللہ کا انعام و احسان تصور کرنے کے بجائے بوجھ اور سوہان روح سمجھ لیا گیا ہے۔ مارکیٹ میں دستیاب ڈبہ کے دودھ کو ماں کے دودھ کا نعم البدل سمجھتے ہوئے بچے کو اللہ کی اس خاص نعمت سے محروم رکھا جاتا ہے جس کے اثرات بچے کی بہترین صحت کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ اس حقیقت کا ادراک ہونا چاہیے کہ بچے کا وجود ایک وقتِ مقررہ تک ماں کے وجود کا ہی حصہ بنا رہتا ہے۔ اس لیے ماں کا وجود اپنی طاقت و توانائی کے لیے جو مواد تیار کرتا ہے، قدرتی طور پر وہی بچے کے لیے پیدائش کے بعد بھی مفید ہوتا ہے۔ کیونکہ مدتِ رضاعت میں یہ دونوں جسم اگرچہ

بظاہر اپنا الگ الگ وجود بنائے ہوئے ہوتے ہیں مگر متحد المزاج ہی ہوتے ہیں۔ایک جسم جو خون اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے تیار کرتا ہے،اُس کے اندر ایسے اجزاء اور عناصرِ ترکیبی بھی شامل ہوتے ہیں جو فقط اِسی جسم کے لیے ہی مفید و کارآمد ہو سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ کسی بھی دوسرے اور مختلف المزاج جسم کے لیے یہ عناصر نہایت تباہ کن اور مہلک ہو سکتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ گروپ ایک ہی ہونے کے باوجود بھی ایک جسم کا خون میچنگ کرائے بغیر دوسرے جسم میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔ماں کے جسم میں دودھ کی پیداوار بھی خون کی پیداوار کی طرح ہے بلکہ اِسی سے ہے۔اِس پہلو پر غور کر لیا جائے تو ہر کس و ناکس کو یقین ہو جائے گا کہ ماں کے دودھ کا کوئی بھی نعم البدل نہیں ہے۔ لیکن افسوس مصنوعی دودھ سے نہ صرف بچوں کی صحت کو بری طرح متاثر کیا ہے۔یہی کچھ وجوہات ہیں کہ اب تو مولود بھی علاج معالجہ کے لئے ڈاکٹروں اور چائلڈ اسپیشلسٹ کے محتاج ہو گئے ہیں۔سید ابوالاعلیٰ مودودی موجودہ دور میں رضاعت کے بدلتے ہوئے المناک رنگ ڈھنگ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"موجودہ زمانہ میں مسئلہ رضاعت کا حل یہ نکالا گیا ہے کہ بچوں کو خارجی غذاؤں پر رکھا جائے۔ لیکن یہ کوئی صحیح حل نہیں ہے اس لئے کہ فطرت نے بچہ کی پرورش کا جو سامان ماں کے سینے میں رکھ دیا ہے اس کا صحیح بدل اور کوئی نہیں ہو سکتا۔بچے کو اس سے محروم کرنا ظلم اور خود غرضی کے سوا کچھ نہیں۔"(۱۰)

ڈبے کے دودھ اور دیگر نام نہاد مقوی اجزاء نے اولاد سے ماں کا دودھ چھین لیا ہے۔بچے ڈبوں کے دودھ سے پیٹ تو بھر لیتے ہیں لیکن ممتا کے اس جوہر سے محروم ہو جاتے ہیں جو قدرتی طور پر اللہ تعالیٰ نے ماں کے دودھ میں ودیعت کیا ہے۔ یہ مادرانہ شفقت ہی ممتا کی روح ہے۔اس روح کے زائل ہو جانے سے ہی موجودہ دور کی ماں کے جمال و کمال کی ساری کشش کہیں گم ہو گئی ہے۔ عورت کے لئے سب سے زیادہ قابل فخر شے یہ جذبہ اُمومت ہی ہے۔ جس کے آگے دنیا کی بیش بہا نعمتیں ہیچ ہیں۔اولاد کی تربیت و پرورش میں سب سے زیادہ مقوی خوراک ماں کی ممتا ہی ہے۔اور اس ممتا کی نمو دورانِ حمل و رضاعت ہی ہوتی اور پروان چڑھتی ہے۔

موجودہ دور میں عورتوں کے اس وظیفہ سے گریز کی وجہ سے معاشرے میں نئے وبال اور فتنوں نے جنم لیا ہے۔ ممتا اور شفقت کا جذبہ اب ناپید ہوتا چلا جا رہا ہے۔اولاد کی بہترین پرورش اور مادی اشیاء کی فراہمی اور آسائشوں کی بھرمار بھی اس کمی کو پورا نہیں کر سکتی جو ماں کے دودھ کی کمی سے بچے کی شخصیت میں پیدا ہوتی ہے۔پروفیسر ثریا بتول علوی لکھتی ہیں:

"بچے آیاؤں کے رحم و کرم پر رل گئے ہیں۔ وہ ماں کے شفقت بھرے لمس اور پاکیزہ دودھ کی دھاروں سے محروم رہ جانے کی وجہ سے جرائم پیشہ، وحشی اور مار دھاڑ کے عادی بن رہے ہیں۔"(۱۱)

یہاں یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ ماں بھی ایک عورت ہے اور آیا بھی۔ مگر بچہ ماں کے وجود سے الگ ہوا ہے، آیا بہر صورت غیر ہے اور غیر ہی رہتی ہے۔ اگر کوئی عورت، بطور آیا پسند ہو تو کیا یہ ممکن نہیں کہ اسی عورت کو بچے کی ماں بنا دیا جائے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو بہر صورت بچے کو اس کی حقیقی ماں کی نگہداشت و پرورش سے دور اور محروم کرنا زیادتی ہے۔ درحقیقت ماں کے دودھ سے محروم رہنے والے بچوں کا احساس محرومی تاحیات اثر دکھاتا ہے۔ اور وہ اس احساس تحفظ سے محروم رہتے ہیں جو کہ ان کی پراعتماد زندگی کے لئے لازمی جزو ہے۔ یہی عدم اعتماد اور عدم تحفظ بچوں کی شخصیت کو مسخ کر دیتا ہے اور وہ مختلف برائیوں اور جرائم کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ماں کی رضاعت سے گریز کا مضر اثر صرف بچے ہی پر نہیں بلکہ ماں کے وجود پر بھی پڑتا ہے۔ اور ساتھ ہی بچے اور ماں کے باہمی تعلق پر بھی اس کے بدترین اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر ام کلثوم لکھتی ہیں:

"جو مائیں اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتیں وہ خود ذہنی طور پر متوازن نہیں رہتیں۔ ان کا اپنے بچوں سے تعلق بھی زیادہ نہیں ہو پاتا۔ بچوں پر تشدد کرنے والی خواتین کا غالب حصہ ان ماؤں کا ہے جنھوں نے بچے کو اپنا دودھ نہیں پلایا۔ بالخصوص ایسی مائیں جو اوائل عمر میں بچوں کو نرسریوں یا دوسرے اداروں میں داخل کروا دیتی ہیں۔ ایسی صورت میں ماں اور بچے کا رابطہ کمزور ہو جاتا ہے اور دونوں میں ذہنی ہم آہنگی اور مضبوط تعلق قائم نہیں ہو پاتا۔"(۱۲)

عدم رضاعت سے نہ صرف ماں اور بچے کا تعلق کمزور ہوتا ہے بلکہ بچے کا ماں کے ساتھ گزارا گیا بہترین وقت بھی کہیں کھو جاتا ہے، بچے کے ابتدائی چند سال بچے کی تربیت میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ جس میں کی گئی ماں کی تربیت کے نقوش تاحیات بچے کی شخصیت پر ثبت رہتے ہیں۔ نیز ماں کی قربت بچے کی صحیح نشوونما کے لئے قدرتی طور لازمی جزو ہے۔ جس کی عدم فراہمی بچے کی زندگی میں احساس محرومی اور عدم تحفظ کے احساس کو جنم دیتی ہے جو بچوں کی شخصیت میں گوناگوں قسم کے جسمانی، ذہنی، جذباتی اور نفسیاتی مسائل کو فروغ دیتی ہے۔

تربیت وپرورش میں کوتاہی:

عورت پر اصل بنیادی ذمہ داری نسل نو کی پرورش اور تربیت ہے۔ اس ضمن میں عورت کو خارجی وتمدنی ذمہ داریوں سے بری الذمہ رکھا گیا ہے اور قرآن وحدیث کی رو سے اس کی گھریلو ذمہ داریوں کو نباہنا، بچوں کی پرورش وتربیت کرنا اتنا ہی باعث اجر ہے جیسا کہ مردوں کے لئے جہاد اور دیگر بیرونی ذمہ داریوں کا نباہنا ہے۔

موجودہ دور کی المناک صورتحال یہ ہے کہ مغرب کی استعماری طاقتوں نے نقب لگا کر ہماری مشرقی عورتوں کو اپنے طلسم میں جکڑنے کی کوشش شروع کردی ہے تاکہ مشرق کی وہ امتیازی پناہ گاہ اجڑ جائے جہاں مسلمان عورتیں اسلامی اقدار وروایات کو سنبھالے بیٹھی تھیں اور نسل نو کی تربیت وپرورش میں مگن تھیں۔ اس ضمن میں دشمن طاقتیں جلد ہی کامیاب ہوئیں کیونکہ مشرقی عورت بہت تیزی سے مغربی سازشوں کے نرغے میں گرفتار ہوگئی، اور اپنے اصل سے ہٹتے ہوئے نسلوں کو سنوارنے اور نکھارنے کے وظیفے سے غافل ہوتی چلی گئی ہے۔ جب کہ اولاد کی تربیت وپرورش میں بنیادی ذمہ داری بہر حال ماں کے اوپر ہی عائد ہوتی ہے۔ بچوں کے ذہنوں پر نقش تمام اولین اثرات ماں کی شخصیت سے ہی ماخوذ ہوتے ہیں۔ بچوں کی تربیت کا کام اگر ان کے بچپن میں اور گھروں کے اندر نہ ہوا ہو تو دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی دانش گاہ اور تربیت گاہ اس کام کو نہیں کرسکتی اور نہ ہی ان خامیوں اور برائیوں کو بچوں کی شخصیت سے مکمل طور پر محو کرسکتی ہے جو کہ بچوں کی فطرت کا خاصہ بن جاتی ہیں۔ لہذا صحیح وقت پر بچے کی بہترین انداز میں تربیت اور پرورش کرنا ماں کی اولین ذمہ داری ہے۔

مذہبی تربیت کا فقدان:

ہماری نئی نسل اس لحاظ سے بڑی بدقسمت ہے کہ ان کو وہ معیاری اور بہتر اسلامی ماحول میسر نہیں آیا ہے کہ ان کی روحانی تشنگی مکمل طور پر ہوسکے۔ ان کے کانوں میں نہ قرآن کی آوازیں ہیں، اور نہ نماز، روزے اور حج کا اہتمام ہے جو کہ پرانے زمانے میں عام معمولات میں شامل تھا۔ آج کی نئی نسل جدید ٹیکنالوجی کے سحر میں گرفتار ہے۔ جہاں ٹی وی ویڈیو، موبائل فون اور دیگر لہو لہب نے ان کو راہ راست سے گم گشتہ کردیا ہے۔ اس کی اصل وجہ ماؤں کی اپنے اسلاف اور اقدار وروایات سے دوری ہے۔ اور مائیں ہی تمدنی وتہذیبی روایات کو نسل نو میں منتقل کرنے کی ذمہ دار ہیں۔ ان کے اس فریضہ سے غفلت کی بنا پر بچوں کی پرورش وتربیت اسلامی تہذیب وثقافت اور روحانی اقدار

کے مطابق نہیں کی جا رہی ہے تو وہ لامحالہ اسلامی تہذیب واقدار سے نامانوس اور ناواقف ہوتے جا رہے ہیں۔ اور زمانہ جدید کے اثرات نہایت تیزی سے نسل نو میں سرایت کرتے جا رہے ہیں۔

بچوں کی مثبت و تعمیری تربیت کے فقدان نے بچوں کو دین اور دنیا دونوں سے گمراہ کر دیا ہے۔ اور اس کا اصل سبب ماؤں کی کوتاہی سستی اور لاپرواہی ہے۔ جدید صنعتی دور کے لوازمات میں سے ایک لازمی جز بچوں کو دو سے ڈھائی سال کی عمر میں اسکول میں داخل کرانے کا رواج شامل ہو گیا ہے۔ مہنگے اور بڑے اسکولوں میں داخل کرانے کے بعد مائیں تعلیم و تربیت کے فرض سے سبکدوش ہو جاتی ہیں۔ اس ضمن میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"تربیت اطفال کے لئے نرسنگ ہوم اور تربیت گاہ اطفال کی تجویزیں نکالی گئی ہیں تاکہ مائیں اپنے بچوں سے بے فکر ہو کر بیرون خانہ کے مشاغل میں منہمک ہو سکیں۔ لیکن کسی نرسنگ ہوم اور کسی تربیت گاہ میں شفقت مادری فراہم نہیں کی جا سکتی۔ طفولیت کا ابتدائی زمانہ جس محبت اور جس دردمندی و خیر سگالی کا محتاج ہے وہ کرایہ پر پالنے پوسنے والیوں کے سینے میں کیسے آسکتی ہے۔"(۱۳)

موجودہ دور میں تربیت کا مفہوم نہایت محدود معنوں میں لیا جاتا ہے کہ بچوں کو لکھایا، پڑھایا جائے اور اس کو آداب معاشرت سکھا دیے جائیں۔ یہ تربیت کی صرف ایک شکل ہے، جب کہ سب سے پہلے بچے کی تربیت کے لئے جس طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے وہ اس کے لئے بہترین ماحول کی فراہمی ہے اور والدین کی سرپرستی و نگرانی ہے۔ اولاد کی تربیت در حقیقت ایک اہم ترین ذمہ داری ہے اور تربیت پر مامور "ماں یا باپ"، وہ مہربان طبیب ہے جس کے ایک ہاتھ میں نشتر اور دوسرے میں مرہم ہے اور وہ ہمہ وقت اپنے زیر نگرانی افراد کو مکمل تندرست رکھنے کی فکر میں ہے۔

تربیت کے حوالے سے سب سے بڑی کوتاہی جو آج کل برتی جا رہی ہے وہ بچوں کو دین اور اسلام سے نابلد کرنے کی صورت میں کی جا رہی ہے۔ بچوں کو ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی انگریزی اسکولوں میں داخل کرا دیا جاتا ہے، جہاں اسلام سے آگاہی صرف ایک اضافی مضمون کی صورت میں ہوتی ہے، جس کی وجہ سے بچہ ابتدائی دور میں ہی اسلام اور دین سے دور ہوتے ہوئے انگریزی ماحول کا عادی ہو جاتا ہے، انگریزی طور طریقوں اور اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کے ڈھنگ سیکھتا ہے، انگریزی زبان سے شغف حاصل کرتے کرتے اسلام کے مزاج سے ہم آہنگ ہی نہیں ہو پاتا۔ نتیجتاً جب یہ بچے اپنے پیروں پر کھڑے ہوتے ہیں تو شعوری طور پر دین اور مذہب سے نابلد

ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے صرف مادی/دنیاوی تعلیمات ہی کافی نہیں بلکہ دنیاوآخرت دونوں کی بھلائیوں کے حصول کے لئے لازم ہے کہ بچوں کو دین کی بنیادی آگاہی فراہم کی جائے۔ تعلق باللہ کو قائم کرنا، کفروشرک، حلال وحرام میں تمیز، صحیح وغلط کی آگاہی، دینی حمیت وغیرت، عشق رسول، نیکی سے محبت اور گناہ سے نفرت، جیسے اعلیٰ صفات وعادات صرف ماں باپ کی صحیح تربیت سے ہی پیدا ہوسکتے ہیں۔ یہ ساری اعلیٰ صفات اگر بچپن میں بچوں کے اندر سرائیت نہ کی گئیں تو بڑے سے بڑے پراثر مواعظ، موثر سے موثر دینی کتب اور اعلیٰ مدارس سے تعلیم کے حصول کے باوجود بھی حاصل نہیں ہوسکتیں۔ بچوں کے لئے صرف مادی تعلیم کا حصول ان کو بدترین اخلاق سے متصف کرتا ہے۔ موجودہ دور میں مادیت پرستی سے آراستہ تعلیم بچے کو گھٹیا اور خودغرض انسان کی حیثیت سے پروان چڑھاتی ہے اور بچے کو لذت پسند، خودغرض، خودپسند، جارح اور باغی بنادیتی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ بچے کو خدائی اخلاق واوصاف کے اصولوں اور اقدار کی پیروی کرنے کی تربیت دیجائے۔ لہذا بچوں کی آنے والی زندگی میں الجھنوں اور مشکلات سے بچانے کے لئے لازم ہے کہ ان کی ابتداء ہی سے صحیح اور راسخ اصولوں پر پروان چڑھایا جائے اور غلط راہنمائی، فاسد تقلید سے محفوظ رکھتے ہوئے ان کے اذہان کی صحیح آبیاری کی جائے تاکہ دنیاوآخرت کی بھلائیاں ان کے حصے میں آئیں۔ اگر ان کی تربیت جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی برتی گئی تو ان کو راہ راست پر لانے کے لئے نہایت مشکل مرحلے طے کرنے پڑیں گے۔ ابوسلیم محمد عبداللہ لکھتے ہیں:

”اگر خدانخواستہ آپ نے اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی برتی اور اپنی اولاد کو اسی ”خودرو“ طریقہ پر پرورش ہونے دیا جو آجکل بہت عام ہے تو یقین رکھے کہ آپ کے اس سرمایہ کو شیطان کے ایجنٹ لوٹ لے جائیں گے جو ہروقت اس گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ پھر آپ کی اولاد خدا کی باغی بن کر اٹھے گی۔ اللہ کی زمین میں ظلم اور فساد کا علم بلند کرے گی اور ایسی صورت میں اس کے دم سے جتنی برائیاں پھیلیں گی ان سب میں آپ بھی حصہ دار ہوں گی اور خدا محفوظ رکھے۔ پھر یہی اولاد آپ کے لئے دائمی عذاب کا موجب ہوگی۔“[14]

بطور مسلمان والدین، تربیت اولاد کا نظریہ کلیتاً غیر مسلم اور دنیادار والدین سے مختلف ہونا چاہیے۔ اگرچہ دونوں کا مطمع نظر اولاد کو کامیابی اور ترقی کی راہ پر گامزن دیکھنا ہوتا ہے۔ لیکن کامیابی کا تصور ایک مسلمان کا غیر مسلم اور دنیادار سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ ایک دنیاپرست آدمی اولاد کو دنیوی لحاظ سے کامیاب اور سرخرو دیکھنا چاہتا ہے اور ادب واطوار کے ذریعہ اپنا فرمانبردار دیکھنا چاہتا ہے۔ جب کہ مسلمان والدین اپنی اولاد کو دنیاوآخرت دونوں جگہ کامیابی اور بلند مرتبہ پر دیکھنا چاہتی ہے اور اس کا مطمع نظر اللہ کی فرمانبرداری، اطاعت اور خوشنودی پر مبنی ہوتا ہے۔

موجودہ مادیت پرستی کے دور میں والدین مکمل طور پر قرآن کی اس آیت کی عملی تصویر بن گئے ہیں جس میں دنیا کا حصول ہی انسان کا مطمع نظر بن جاتا ہے۔ارشاد ہے: فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ(البقرہ ۲/۲۰۰)

ترجمہ: اور بعض لوگ ایسے ہیں جو (اللہ سے) التجا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو (جو دینا ہے) دنیا ہی میں عنایت کر ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

دنیا پرستی، دنیاوی نعمتوں اور آسائشوں کی تمنا اور ان کا حصول کسی بھی قیمت پر، نہ صرف والدین کے لئے گمراہ کن فتنہ ثابت ہوا ہے بلکہ اولاد کے لئے بھی نہایت خسارے کا موجب ثابت ہوا ہے۔ جس کے نتائج کی صورت میں نسل انسانی دنیا کے دھوکے میں اس طرح گرفتار ہوئی ہے کہ اس سے نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

نیک مثالی اور عملی نمونہ کا فقدان:

اولاد کی تربیت کا بہترین فلسفہ یہ ہے کہ اس کو تقلید کے لئے بہترین نمونہ فراہم کیا جائے۔ بچہ فطرۃ نقالی کرتا ہے اور زندگی کے ابتدائی دور حیات میں اس کے لئے واحد نقال اس کے سرپرست اور والدین ہوتے ہیں۔ بیگم عبدالغنی لکھتی ہیں:

"جیسا آپ اپنے بچہ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ ویسے ہی خود بن کر اسے دکھایئے۔ کیونکہ بچہ کان سے کم اور آنکھ سے زیادہ سیکھتا ہے۔ بچہ ہمیشہ نقال ہوتا ہے اور نقالی پسند کرتا ہے۔ اسی طرح وہ بڑوں کا نمونہ بنتا چلا جاتا ہے۔ عین اسی طرح جس طرح بچہ کے خدوخال عموماً والدین یا قریبی رشتہ داروں کے مشابہہ ہوتے ہیں۔ اخلاق وعادات میں بھی وہ بالعموم انہیں کا نمونہ بن جاتے ہیں اگرچہ کہیں کہیں مستثنیات بھی واقع ہوتے ہیں۔"(۱۵)

ابتدائی عمر میں بچہ کی شخصیت پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والے والدین ہی ہوتے ہیں۔ نیز وہ والدین کے صحیح وغلط اعمال کی بلا سوچے سمجھے، لاشعوری طور پر تقلید کر رہا ہوتا ہے۔ والدین کا ہر عمل الفاظ میں تاثیر اور تلقین میں جذبہ قبولیت پیدا کرتا ہے۔ لیکن بچوں

کو نصیحت کرنا اور خود اس پر عمل پیرا نہ ہونا ایک بد ترین عمل ہے۔ یہ نہ صرف بچوں کو بے کہنا وبے بہرہ کرتا ہے بلکہ ان کے اندر بد عملی اور نفاق جیسی بیماریاں بھی پیدا کرتا ہے۔ سید اسعد گیلانی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"بچوں کے ساتھ اس سے بڑا ظلم اور کوئی نہیں ہے کہ ان کو ایسی باتوں کی نصیحت کی جائے جن پر والدین خود عامل نہ ہوں۔ اس سے نہ صرف بچوں پر نصیحت کا کبھی اثر نہیں ہوتا بلکہ ان کے اخلاق میں نفاق کا بیج پیوست ہو جاتا ہے اور وہ عمر بھر اپنے قول کے خلاف عمل کرتے رہتے ہیں اور انہیں اس برائی کا شعور تک نہیں ہوتا۔"(۱۲)

موجودہ دور میں المناک صورتحال یہ ہے کہ والدین بالخصوص مائیں تقلید کے لئے ایک بد ترین نمونہ پیش کرتی ہیں۔ اور مزید برآں اولاد کو ان تمام صحیح باتوں کی تلقین کی جاتی ہے جن پر خود شاذ و نادر ہی عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ اس بد ترین عمل سے نہ صرف تربیت اولاد میں ایک گہرا خلا پیدا ہو رہا ہے بلکہ والدین اور بچوں کے درمیان بھی فاصلے بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہر جھوٹ یا خلاف حق بات بچے کے ذہن میں ایسے زہریلے بیج بو دیتی ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ تھوہر کے زہریلے درخت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جس کے سامنے تمام تعلیمی کاوشیں اور راہنمائی بے اثر ثابت ہو جاتی ہیں۔ یہ بات نہایت اہم ہے کہ والدین کے الفاظ اور رویہ صرف حقیقت اور سچائی پر بھی مبنی ہونا چاہیے۔

اپنی اولاد کی صحیح خطوط پر تربیت و پرورش کرا یک ماں کا بنیادی فریضہ ہے ایک ماں اپنے بچے کو صحیح تعلیم و تربیت سے اس وقت تک آراستہ نہیں کر سکتی جب تک وہ خود ان تعلیمات اور اصول زندگی پر عمل پیرا نہ ہوں اس لئے کہ ماں بچوں کے لئے نمونہ ہوتی ہے اور بچے غیر محسوس طور پر ماں کے نقش و قدم پر ہی چلتے ہیں۔ چنانچہ بچوں کے لئے اچھا نمونہ پیش کرنے کے لئے ایک ماں کو نہایت ذمہ دار اور فرض شناس ہونا لازم ہے۔

بچہ کی جذباتی و نفسیاتی تربیت کا فقدان:

ماں اور بچے کا تعلق انتہائی ذاتی نوعیت کا ہوتا ہے۔ بلا مغالبہ ایک بچہ کے لئے دنیا میں سب سے اہم ترین ہستی ایک ماں کی ہوتی ہے۔ ایک ماں ہی بچہ کی بہترین دوست، معاون مددگار، ساتھی، رازدان اور راہنما ہوتی ہے۔ بچے کی زندگی میں پیدا ہونے والی نفسیاتی و

جذباتی الجھنوں اور مسائل کی بہترین طبیب ایک ماں ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنے بچے کے مزاج سے آشنا ہو۔ اگرچہ ایک ماں اپنے بچے کیساتھ ایک طویل وقت گزارتی ہے لیکن ضروری ہے کہ گزارا ہوا وقت معیاری اور خالص ہو نہ کہ محض بیکار کی وقت گزاری ہو۔

یہ بات طے شدہ کہ بچے کی زندگی کے ابتدائی سال اس کی شخصیت کی تدوین وارتقاء میں اہم ترین ہیں۔ ہر بچہ امت مسلمہ کا ایک بیش قیمت اثاثہ ہے۔ اور اس کو با اعتماد، بہادر، جری اور مجاہدانہ صلاحیتوں سے متصف کرنا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ اس کی زندگی میں بزدلی، خوف اور پستی کی گنجائش نہ رہے۔ اس ضمن میں والدین کے ذمہ یہ اہم ترین فرض ہے کہ وہ اپنے بچہ کو ابتدائی زندگی میں ذہنی صدمات سے محفوظ رکھے اور ہر قسم کے ڈر، خوف اور نقصانات سے بچائے۔ بچوں کی حفاظت کے ضمن میں یہ بات نہایت اہم ہے کہ اس کے ننھے ذہن کو صدمات سے محفوظ رکھا جائے۔ بچے کا دل ذرا سی بات سے دہل جاتا ہے، ماں سے لمبے عرصہ کی دوری اور تنہائی، اچانک کسی نامانوس اور ناپسندیدہ چیز کا سامنا، تیز اور سخت آواز میں جھگڑا، بار بار آیا کی تبدیلی، جیسے امور بچے کے ذہن کو ناقابل تلافی نقصانات پہنچا سکتے ہیں۔ ایسے بدترین نقصانات کہ ساری زندگی ان کا اثر بچے کی زندگی پر محسوس ہوتا رہتا ہے۔

موجودہ دور میں ماں کے بدلتے وظائف میں سب سے اہم ماں کا بچے کو معیاری وقت فراہم کرنے کا فقدان ہے۔ مائیں اپنی زندگی کی الجھنوں اور مصروفیت میں اس قدر مصروف ومشغول ہو چکی ہیں کہ ان کے پاس اولاد کیلئے مناسب وقت ہی نہیں ہے۔ بنیادی ضروریات کی فراہمی تو ممکن ہے کہ ماں مہیا کردے لیکن نفسیاتی وجذباتی تربیت وراہنمائی کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ بچوں کو نوکروں کے حوالے کرکے ملازمت پر نکل جانا، ازدواجی جھگڑے، اور بچے کی دکھ بیماری میں ماں کی عدم فراہمی، بچوں کی شخصیت میں ایک نا ختم ہونے والا خلا پیدا کر رہی ہے۔ نیز نظم وضبط کے نام پر بچوں کو اپنے اشاروں پر چلانا، سختی اور جبر کے ذریعہ ان کی اصلاح کرنے کی ناکام کوشش کرنا، خلاف ورزی اور حکم عدولی پر بچوں کو طعن وتشنیع اور بدگوئی سے نوازنا، والدین کی الجھنوں اور مسائل کا ذہنی دباؤ بچوں پر نکالنا وغیرہ بچوں کی شخصیت پر بدترین منفی احساسات کے فروغ کا سبب بن رہے ہیں۔ بچوں کی تربیت میں جبر، ڈر اور خوف کا پہلو ان کی شخصیت کو مسخ کرنے میں اہم ترین کردار ادا کرتے ہیں۔

سیرت کے مطالعے سے بھی ہمیں آگاہی ہوتی ہے کہ آپ ﷺ بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ سے نہایت گریز فرماتے تھے۔ نہ ہی ملامت کرتے تھے اور نہ ہی زیادہ ڈانٹ ڈپٹ۔ اس کی مثال حضرت انسؓ کی پرورش ہے۔ حضرت انسؓ آپ ﷺ کی اولاد کی طرح تھے جو آپ ﷺ کے شفقت ومحبت کے خزانوں کے حقدار بنے۔ ہر وقت کی ڈانٹ ڈپٹ بچے کے جذبات اور مزاج پر منفی اثرات مرتب کرتی

ہے۔اور بچے کی شخصیت کو توڑ پھوڑ کے رکھ دیتی ہے۔ بچے کی خود اعتمادی ختم ہو جاتی ہے اور اس کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے اور فیصلہ کرنے کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ حفصہ صدیقی مقدمہ ابن خلدون کے حوالے سے لکھتی ہیں:

"جن طلبہ، غلاموں اور نوکروں کے ساتھ سختی ہوتی ہے ان پر مغلوبیت اور گھٹن چھائی رہتی ہے۔ان کی چستی اور چالاکی ختم ہو جاتی ہے، بلکہ یہ چیز انہیں سستی اور کاہلی، جھوٹ، اور خبث باطن پر آمادہ کرتی ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے اپنے اوپر اٹھنے والے شر کے ہاتھ سے بچ جائیں۔ علاوہ ازیں وہ خود بھی اس کے ظلم، مکر و فریب اور دھوکہ بازی کا سبق سیکھتے ہیں۔ اس طرح یہ چیز ان کی فطرت اور مزاج میں شامل ہو جاتی ہے اور ان کی عمدہ انسانی عادات واطوار خراب ہو جاتے ہیں"(۱۷)۔

موجودہ مشینی دور میں سب ایک بھاگ دوڑ میں شریک ہیں۔ایک کثیر آبادی ذہنی دباؤ کا شکار رہے۔اور عموماً اس ذہنی دباؤ کا شکار کمزور عورتیں اور بچے ہی بنتے ہیں کہ وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتے۔اس ضمن میں سزا اور جبر شخصیت کو مزید پست اور کمزور بنا دیتے ہیں۔اسلام عورتوں اور بچوں کو سزا دینے کی حق میں نہیں ہے۔الا یہ کہ مقصد اصلاح کرنا اور راست باز یا نیک بنانا ہو۔اس میں بھی بچوں کو سزا دنے سے پہلے بچوں کے مزاج اور فطرت کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔نہ کہ محض غصے میں، انتقاماً دل کی بھڑاس نکالی جائے۔ڈاکٹر کلثوم لکھتی ہیں:

"ہر وقت کی ڈانٹ ڈپٹ اور سزا کا خوف بچے کو ایک مستقل خوف میں مبتلا کر دیتا ہے جس سے اس کا ذہن پریشان اور پراگندہ رہتا ہے یوں ایک ڈرپوک اور گھٹی گھٹی شخصیت تشکیل پاتی ہے۔اس کی قوت فیصلہ ختم ہو کر رہ جاتی ہے لیکن جونہی وہ موقع پاتا ہے رد عمل کے جذبات ابھر آتے ہیں اور وہ بڑی جلدی جارحانہ طرز عمل اختیار کر لیتا ہے۔ منفی سرگرمیوں میں ملوث ہو جاتا ہے اور انتقامی کاروائیاں کرنے لگتا ہے۔"(۱۸)۔

یہی وجہ ہے کہ آج نسل نو برداشت اور صبر کے مادے سے خالی ہے۔بدلہ، انتقام، جھنجھلاہٹ اور غصہ اور غیض وغضب نسل نو کا مزاج بنتا جا رہا ہے۔اس سارے منفی رویے کی بنیاد بچپن میں ہونے والی زیادتیاں، کوتاہیاں اور کمی بیشیاں ہیں جو ایک کمزور، پست، اور منفی شخصیت کو جنم دیتی ہیں۔

بچوں کی تربیت ایک ہمہ جہت اور مسلسل کوشش کا نام ہے۔ اس تربیت میں محبت، آزادی اور نظم وضبط (بصورت دیگر سزا و جزا) کا متوازن ہونا نہایت ضروری ہے۔ بچے پر محض جبر، سختی اور ڈانٹ ڈپٹ بچے کی شخصیت کو مسخ کر سکتی ہے تو محض آزادی اور پیار و محبت اس کو بے کہنا، بد تمیز، خود سر اور جارح بنا سکتی ہے۔ موجودہ دور میں والدین بالخصوص مائیں اس توازن سے ناآشنا ہیں۔ بچوں کے ساتھ بے جا لاڈ پیار، صحیح و غلط کی تمیز کے بغیر بچوں کی ہر بات کو ماننا، ان کی بے جا طرفداری، اور مغربی طرز فکر و عمل سے مستعار شدہ مکمل آزادی بچوں کو کسی اور ہی نہج پر لے کر جا سکتی ہے، جبکہ محبت اور آزادی کے ساتھ بچے کی مکمل راہنمائی اشد ضروری ہے کہ بچہ کسی بھی غلط راہ پر پورے خود اعتمادی کے ساتھ رواں دواں نہ ہو جائے نیز اس کی شخصیت میں منفی عوامل جگہ بنا لیں اور والدین کو اس کی خبر ہی نہ ہو۔ حفصہ صدیقی لکھتی ہیں:

''صرف محبت ایسا کیمیائی عمل نہیں ہے جس کے ذریعے آپ بچے کی مکمل راہنمائی کر سکیں۔ بچہ جب کسی جذباتی کیفیت کا شکار ہوتے ہیں تو ان کو راہنماء کی ضرورت ہوتی ہے۔ روایتی عقل (conventional wisdom) اکثر اس قدر کارآمد نہیں ہوتی کہ غصے، خوف یا ناراضگی کی حالت میں بچے کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔ اگر اس کے لئے درست طریقہ استعمال کیا جائے تو نہ صرف آپ اس صورتحال سے بچ سکتے ہیں بلکہ بچے کی بھی جذباتی طور پر شخصیت مستحکم ہو سکتی ہے''[19]۔

بچوں کے ساتھ مثبت اور محبت بھرا رویہ ان کی شخصیت کو بناتا ہے۔ جب کہ بچوں کو بے لگام آزادی اور بے پناہ لاڈ پیار اور جائز ناجائز ضدوں اور خواہشات کی تکمیل ان کے اندر خود سری اور evil genius پیدا کرنے میں اہم ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر ام کلثوم اس کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''محبت بے لگام آزادی بچوں کو چست، نمایاں، تخلیقی صلاحیتوں سے متصف مگر بد تمیزی کی حد تک تیز وطرار بناتی ہے۔ ان کا انداز جارحانہ ہوتا ہے۔ خود پر کسی کی پابندی برداشت نہیں کر سکتے اور بہت جلد خود مختار ہو جاتے ہیں۔''[20]۔

یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں دوسری انتہا پر ایسے بچے نظر آتے ہیں جو ماں باپ کے لاڈ پیار اور بے تحاشہ آزادی کی سبب فرمانبرداری اور اطاعت کے دائرہ سے خارج نظر آتے ہیں۔ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ''مائیں آقا جنیں گی'' کی عملی تفسیر دکھائی دیتے ہیں۔ معاشرے کی ایک کثیر آبادی بالخصوص تعلیم یافتہ طبقہ اپنے بچوں کی ضد، ہٹ دھرمی، من مانی اور بے لگام آزادی کی شکایت کرتا

نظر آتا ہے۔ ان سب کے پیچھے والدین کا غیر ذمہ دارانہ رویہ نظر آتا ہے۔ والدین بچوں کو بے تحاشہ لاڈ پیار، بلا روک ٹوک نعمتوں اور وسائل کی بھرمار اور بے لگام آزادی دینا ان کا حق ادا کرنا سمجھتے ہیں۔ جبکہ دوسری تربیت اور راہ نمائی سے نابلد ہو کر ان کی دین اور دنیا کو خسران میں مبتلا کر رہے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں آج کے بچے اپنے فرائض سے لاعلم ہیں اور تمام تر حقوق کی فراہمی کے باوجود والدین کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ اور والدین کے حقوق پورے کرنا پرانی باتیں شمار کرتے ہیں۔

غذا اور صحت سے عدم توجہی:

موجودہ دور کے المیوں میں سے ایک خطرناک المیہ بازار کے کھانوں کا عام رواج ہے۔ کچھ زبان کے چٹخاروں، کچھ گھریلو عورتوں کی سستی کاہلی اور لاپرواہی اور کچھ ملازمت یافتہ عورتوں کی وقت کی کمی کے سبب، معاشرے میں بازار کے کھانوں کا تیزی سے رواج پا گیا ہے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ بازار میں کھانا، ہوٹلنگ کرنا، اور بڑے بڑے برانڈ کے کھانے آرڈر کرنا ایک محبوب مشغلہ اور معیار زندگی کا نشان بن گیا ہے۔ یہ تمام صورتحال نہ صرف ایک عام آدمی کے جیب پر گراں گزرتی ہے بلکہ صحت کے لئے بھی نہایت ضرر رساں ہے۔ تیز چٹ پٹے کھانے، غیر معیاری تیل و گھی اور ناقص اجزا کے استعمال سے تیزی سے شکم معدہ و جگر کی بیماریوں میں اضافہ ہوا ہے۔ بازاری کھانوں میں استعمال شدہ تیل اور گھی نہایت ناقص معیار کا ہوتا ہے جو انسانی صحت کے لئے نہایت مضر ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق جانوروں کی ہڈیوں سے تیل کشید کیا جاتا ہے۔ امت اخبار لکھتا ہے:

"جعلی گھی تیار کرنے والی فیکٹریاں شہر بھر سے جانوروں کی ہڈیاں اکٹھی کرتے ہیں جن میں ساحل پر پھینکے جانے والے مردہ بھینس، گائے کے علاوہ کتے، گدھے تک کی ہڈیاں شامل ہیں۔ ان ہڈیوں کو خالی پلاٹ میں پھیلا کر سکھایا جاتا ہے، پھر شام کے اوقات میں بوائیلر کے اندر ڈالا جاتا ہے۔ مخصوص درجہ حرارت پر بھاپ کے ذریعے ان ہڈیوں سے گودا نکال کر جمع کیا جاتا ہے جن کو دیگر علاقوں میں بنے چھوٹے چھوٹے کارخانوں میں بھیجا جاتا ہے جہاں اس کو ریفائن کرکے طرح طرح کے ناموں سے گھی کے ڈبوں میں ڈال کر کے شہر بھر میں فروخت کیا جاتا ہے۔ اسے ہوٹلوں میں سالن، پراٹھے، جبکہ ریڑھی پر سموسے پکوڑے اور مچھلیاں تلنے والے سستے داموں خرید تے ہیں۔"(۲۱)

ایسے مضر صحت گھی و تیل کے بارے میں پروفیسر ڈاکٹر سہیل لکھتے ہیں:

''ہڈی سے گھی نکالنے والے حلال یا حرام جانور خاص طور پر مردہ جانور کی ہڈیاں استعمال کرتے ہیں۔ لاعلمی میں اس گھی کو کھانے والے مختلف بیماریوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ دل کے امراض بڑوں اور بچوں میں بڑھ رہے ہیں، جگر اور پیٹ کی بیماریاں تیزی سے پھیل رہی ہیں۔''(۲۲)۔

بحیثیت ماں ایک عورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ کو اس نقصان و ہلاکت سے دور رکھیں لیکن اپنے زبان کے چٹخارے اور مزاج کی سستی و کاہلی کی بنا پر اہل وعیال کی جانوں کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔ جب کہ لازم ہے کہ اولاد کی پرورش میں ایسے ذرائع استعمال کرنے چاہئیں جو کہ اولاد کے لئے باعث فلاح ہوں۔ غذا بچے کی بنیادی ضرورت ہے، جس کی تکمیل والدین پر لازم ہے نیز یہ بھی ضروری ہے کہ بچے کو حلال رزق پر پروان چڑھایا جائے اور مستحسن آداب واطوار پیدا کئے جائیں۔ محمد ایوب اصلاحی لکھتے ہیں:

''تربیت اور تعمیر سیرت کے معاملے میں چونکہ غذا کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور غذا ہی کی بداحتیاطی (خواہ یہ بداحتیاطی زیادہ کھانے میں ہو یا حلال وحرام کی تفریق سے لاپرواہی کی بنا پر ہو) ہر کج روی اور بیہودہ عادت کا سرچشمہ ہے۔ اس لئے ناگزیر ہے کہ بچوں کو کھانے کے ایسے اصولوں کا خوگر بنایا جائے جو حسن تربیت اور اخلاقی تعمیر کے لئے ضروری ہیں اور جن سے اخلاقی محاسن پیدا ہوں، مثلاً زیادہ کھانے سے روکا جائے، زیادہ کھانے کی خرابی بیان کی جائے، زیادہ کھانے والوں کی مذمت کی جائے اور اس کی مضرتیں بیان کی جائیں اور کم کھانے اور سادہ غذا کی طرف توجہ دلائی جائے اور ایسی غذا کی ترغیب دی جائے جو پاک کمائی سے حاصل ہو اور ناجائز اور ناپاک کمائی سے حاصل نہ کی گئی ہو۔''(۲۳)۔

اس ضمن میں شہری طبقے میں تو افراط کی صورتحال ہے کہ ہر دوسرا فرد باہر کے کھانے کا دلدادہ ہے اور اس ضمن میں جیب پر بھاری بل بھی قابل قبول ہیں۔ جب کہ دیہی آبادی میں بچے غذائی قلت کا شکار ہیں۔ ایک طرف تو غربت کی بنا پر بچوں کو مکمل غذا کی فراہمی ممکن نہیں ہے۔ دوسری طرف لڑکیاں اور عورتیں مرد وزن کے طبقاتی فرق کی بنا پر غذائی قلت کا شکار ہیں۔ دیہی طبقہ میں لڑکیاں اور عورتیں، جنھیں آگے جاکر تخلیق کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے، لڑکوں اور مردوں کے مقابلے میں اچھی اور صحتمند غذا سے محروم ہیں۔ غذا کے معاملے میں ماؤں کی اولاد میں صنف کی تفریق کی وجہ سے بچیاں ایک صحتمند مستقبل سے محروم ہو جاتی ہیں۔ اسلام اولاد کے معاملے میں عدل وانصاف کا حامل ہے اور ہر طرح کی تفریق اور ظلم وزیادتی کی مذمت کرتا ہے۔

اصلاح احوال:

آج کی ماں کی راہنمائی کی جائے کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش اسلام کے اصولوں کے مطابق کرے، ان کے لئے بہترین نمونہ بنے، بچوں کے لئے گھروں کی چاردیواری میں بہترین اسلامی ماحول فراہم کرے، نیز ان کی دینی، اخلاقی، معاشرتی اور نفسیاتی تربیت کے لئے ہر ممکن کوشش کرے۔ یہی سب سے بڑی ذمہ داری ہے جو آج کی ماں پر عائد ہوتی ہے۔

آج کی ماں کے لئے سب سے اہم ترین اصلاح کی صورت اس کے دینی شعور و حمیت کو بیدار کرنا ہے۔ اس کے لئے لازم ہے کہ ان کو قرآن سے جوڑا جائے۔ اور ان میں قرآن فہمی کو فروغ دیا جائے۔ عورتوں میں قرآن فہمی کے لئے ضروری ہے کہ ان کے لئے عوامی سطح پر قرآنی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ ماؤں میں حقوق و فرائض کی آگاہی کے لئے، اور دینی شعور و فہم سے روشناس کرانے کے لئے، اور ان کے تربیت و اصلاح کے لئے عوامی سطح پر اصلاحی درس و تذکیر کے انتظامات کئے جائیں۔ عام عورتوں، طالبات، اور دیگر نوجوان لڑکیوں کے ایسے حلقے قائم کیے جائیں جو قرآن و سنت کے اصولوں کے مطابق تربیت و راہنمائی فراہم کئے جائیں۔ اس ضمن میں مذہبی جماعتیں اور نجی ادارے بہتر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ محلہ وار کمیٹیاں ترتیب دی جاسکتی ہیں جن کی نگرانی اور ترتیب و تنظیم باآسانی طور پر کی جاسکتی ہے۔ نیز مختلف برادریاں اور خاندان اپنی خواتین کی اصلاح و تربیت کے لئے کمیونٹی پارٹی کے زیر اہتمام مختلف مذہبی، اصلاحی پروگرام مرتب کر سکتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی گھریلو سطح پر ناظرہ قرآن کا بندوبست، ترجمہ قرآن کا اہتمام، قرآن فہمی کے اجتماعات، اور انفرادی سطح پر درس و تذکیر کے اصلاحی انتظامات یقیناً بہترین نتائج فراہم کر سکتے ہیں۔

عوامی سطح پر ماؤں کی مساجد میں تعلیم و تربیت کے لحاظ سے شمولیت معاشرے میں بہترین اثرات مرتب کر سکتی ہے۔ مساجد میں عورتوں کی آمد و رفت کے لئے عوام الناس کے مذہبی مزاج کو بدلنے کی ضرورت ہے اس کے لئے لازم ہے کہ مسلکی اختلافات سے بلند ہو کر، علما کرام ایک رائے پر متفق ہوں اور لوگوں کو بھی اس بات کے لئے تیار کریں کہ عورتیں مساجد سے جڑ جائیں، اور جمعہ اور عیدین کی نمازوں عورتوں کی شمولیت کی اجازت دی جائے اور ان کے لئے ہفتہ وار اور ماہانہ بنیادوں پر خطبات اور درس و تدریس کے سلسلے شروع کئے جائیں۔ اس کے لئے محکمہ اوقاف، مساجد میں عورتوں کے لئے خصوصی انتظامات کرے، جس کے تحت مساجد میں ان کے لئے علحدہ حصہ مختص کیا جائے جس کے داخلی و خارجی دروازے مردوں کی گزرگاہ سے الگ ہوں۔ مساجد میں ماؤں کی آمد و رفت کے ساتھ چھوٹے

بچوں کی مساجد میں آمد ورفت ممکن ہو سکتی ہے جو ان بچوں کے لئے بھی ابتدائی اسلامی تربیت کا پیش خیمہ ہوگی۔ علماء کرام کو چاہئے کہ وہ عورتوں کی اصلاح وتربیت کے لئے بھی وقت نکالیں ،ان کے معاملات کی بہتری کے لئے اور مسائل کے حل کے لئے اپنے وعظوں اور تقریروں میں اسلام کا نقطہ نظر پیش کریں۔ان کے حقوق وفرائض کو واضح کریں اور بحیثیت ماں ،بیوی اور بیٹی اس کی ذمہ داریوں کا احساس دلائیں۔

لڑکیوں اور بچیوں کو تعلیم کے بھرپور مواقع فراہم کئے جائیں۔ بچیوں کے لئے مڈل اور میٹرک تک تعلیم لازم قرار دی جائے ۔اور اس کی حکومتی سطح پر سرپرستی کی جائے۔ خصوصا گاؤں اور دیہاتوں میں بچیوں اور نوجوان لڑکیوں کی تعلیم کے حصول کی حکومی سرپرستی کے تحت یقینی بنایا جائے ،تاکہ آنے والی زندگی میں یہ بچیاں بہترین تعلیم یافتہ ،باشعور مائیں بن سکیں۔

معاشرے میں اسلامی تمدن وثقافت کے مطابق میڈیا کے لئے قوانین مرتب کئے جائیں۔ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ مسلمان ملک کا الیکٹرانک میڈیا غیر ملکی ثقافت اور تہذیب وتمدن کی ترویج کے لئے استعمال نہ ہو۔ نیز اسلامی مزاج اور وقار سے مزین پروگرام پیش کئے جائیں۔ الیکٹرانک میڈیا سے صیہونی اور مغرب کی فکری اور تہذیبی پروپیگنڈے کا کلی طور پر سدباب کیا جائے۔ حکومتی سرپرستی میں الیکٹرانک میڈیا کے لئے اسلامی تہذیب واخلاق کے مطابق قوانین کا اطلاق یقینی بنایا جائے۔ نیز مغربی افکار وتہذیب سے معاشرے کا جو نقصان ہوا ہے اس کے ازالہ کیلئے ایسے پروگرام پیش کئے جائیں جو اسلامی اور مشرقی تہذیب وتمدن کا پرچار کریں نیز ماؤں کی اخلاقی ومعاشرتی اصلاح کے لئے کارگر ثابت ہوں۔

ماں کا دائرہ کار گھر گرہستی اور چاردیواری ہے۔اس کی گھریلو ذمہ داریوں کی ادائیگی کو قومی ترقی کے عمل کا حصہ سمجھنا چاہئے اور اس کے صحیح مقام کا تعین کرنا چاہئے۔ ساتھ ہی اس کی معاشی سرگرمیوں کو دوہری ذمہ داری تصور کرتے ہوئے اس کے لئے خاطر خواہ انتظامات فراہم کرنے چاہیں۔ان کے لئے علحدہ سروس اسٹرکچر تشکیل دیا جائے۔ان کی اندرون خانہ ذمہ داریوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے لئے اوقات کار کم ہونے چاہیں،تاکہ معاشی سرگرمی کی بناپر اس کی گھریلو ذمہ داریاں متاثر نہ ہوں۔

حکومت کو چاہئے کہ وہ ملک میں عورتوں کی سماجی و معاشی اصلاح کے لئے ایسی انجمنوں کا قیام عمل میں لائے جو عوام الناس کی فلاح و بہبود اور عورتوں کی اصلاح و تربیت کے لئے کام کریں۔ عورتوں کو ان کے حقوق کی آگاہی، ان کے فرائض منصبی اور ان کی ادائیگی کا شعور پیدا کرنے میں یہ انجمنیں مثبت کردار ادا کر سکتی ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱)ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل، صحیح بخاری کراچی، قدیمی کتب خانہ، س ن، ج:۱، ص:۱۴۲

۲)ابو حاتم، محمد بن حبان، صحیح ابن حبان، بیروت، موسستہ الرسالہ ۱۹۸۸، ج ۱۰، ص ۳۴۳

۳)محمد مسعود خان، اسلامی معاشرے میں ماں کی حیثیت و کردار، اسلام آباد، دعوۃ اکیڈمی، ۱۹۸۸، ص ۱۹

۴)منیر احمد خلیلی، عورت اور دورِ جدید، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۱، ص ۵۴

۵)مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، س ن، ج 1، ص:۹۳

۶)رخسانہ جبیں، ڈاکٹر، بہبود آبادی پروگرام پس منظر و مضمرات، لاہور، مکتبہ خواتین میگزین، س ن، ص:۳

۷)ثریا بتول، پروفیسر، جدید تحریک نسواں اور اسلام، لاہور، منشورات، ۲۰۰۰، ص ۱۰۹

۸)ابو داؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، باب النہی عن تزویج من لم یلد من النساء، کتاب النکاح، رقم:۲۰۵۰، ج ۲، ص:۲۷۰

۹)عبد المعز الجراز، ڈاکٹر، اسلام میں بچے کی نگہداشت، مترجم: ڈاکٹر محمود الرحمٰن، اسلام آباد، دعوۃ اکیڈمی، س ن، ص ۵۷

۱۰)سید ابوالاعلیٰ مودودی، پردہ، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۰، ص:۱۹۱

۱۱)جدید تحریک نسواں اور اسلام، ایضاً، ص ۲۰۷

۱۲)ام کلثوم، ڈاکٹر، بچے کی تربیت اسلامی تعلیمات کی روشنی میں، اسلام آباد، دعوۃ اکیڈمی، ۲۰۰۶، ص ۵۷، ۵۸

۱۳)پردہ، ایضاً، ص ۱۶۴

۱۴) ابو سلیم محمد عبداللہ، دین کی حفاظت، رام پور یوپی، مکتبہ الحسنات، ۱۹۵۷، ص ۵۵

۱۵) بیگم عبدالغنی، تربیت اطفال، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۷۹، ص ۹

۱۶) سید اسعد گیلانی، اسلامی انقلاب اور عورت، لاہور، ادارہ بتول، ۱۹۸۵، ص: ۴۴

۱۷) حفصہ صدیقی، بچوں سے گفتگو کیسے کریں، کراچی، اسلامک ریسرچ اکیڈمی ۲۰۱۰، ص ۹۸

۱۸) بچے کی تربیت اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایضا، ص ۱۳۶

۱۹) بچوں سے گفتگو کیسے کریں ایضا، ص ۱۷

۲۰) بچے کی تربیت اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایضا، ص ۱۴۴

۲۱) روزنامہ امت کراچی، جلد: ۲۱، شمارہ: ۱۴۳، جمعۃ المبارک، ۲۸ ربیع الثانی، ۱۴۳۸ھ ۲۷ جنوری ۲۰۱۷

۲۲) ایضا

۲۳) محمد ایوب اصلاحی، اسلام کی اخلاقی تعلیمات، لاہور، ادارہ مطبوعات خواتین، س ان، ص ۸۹۔